جناب محمد رفیق تارڑ
(سابق صدرِ پاکستان)

مولانا ظفر علی خانؒ
ایک عظیم حریت پسند اور جرأت مند قلمکار

میرا تعلق اسی سرزمین سے ہے جہاں بابائے صحافت مولانا ظفر علی خان نے آنکھ کھولی، اپنا بچپن گزارا اور نصف صدی سے زائد عرصہ تک عظیم قومی ذمہ داریوں کی انجام دہی کے بعد اسی سرزمین میں آسودۂ خاک ہوئے۔ آج مولانا کو ہم سب سے جدا ہوئے چالیس سال ہو چکے ہیں۔ اس عرصے میں ایک نسل جوانی کی سرحدیں عبور کر کے بڑھاپے کی دہلیز پر ہے۔ اس نسل میں ایسے لوگوں کی تعداد آٹے میں نمک کے برابر ہوگی جو مولانا کے افکار و کردار سے مکمل آگاہی رکھتے ہوں بلکہ ایک اچھی خاصی تعداد ان خواتین و حضرات کی ہوگی جو شاید مولانا مرحوم کے نام تک سے بھی واقف نہ ہوں۔ اس میں ان کا کوئی قصور نہیں۔ ہم نے انہیں مولانا اور دوسرے قومی محسنوں سے روشناس کرانے کی کوئی کوشش نہیں کی۔ جو قومیں اپنے محسنوں کو فراموش کر دیتی ہیں، وہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ بتدریج زندگی کی رعنائیوں سے محروم ہوتی چلی جاتی ہیں اور بالآخر تاریخ کے اوراق میں گم ہو جاتی ہیں۔

آج اس بات کی اشد ضرورت ہے کہ نئی نسل کو بتایا جائے کہ ہمیں ایک ایسے سپر پاور نے غلام بنالیا تھا کہ جس کی حکومت میں سورج غروب نہیں ہوتا تھا۔ مولانا ظفر علی خانؒ نے اس سپر پاور کو ایسے وقت میں للکارا جب اس کا اقتدار نصف النہار پر تھا اور دنیا کی کسی طاقت میں اس کے مدمقابل آنے کا حوصلہ نہ تھا۔ مولانا نے اپنے باطل شکن قلم، حق گو زبان اور بے باک روزنامہ ''زمیندار'' کے ذریعے مسلسل نصف صدی سے زائد عرصہ تک فرنگی سامراج کے خلاف کامیاب جدوجہد کی اور اسے اپنی آنکھوں سے برصغیر سے رخصت ہوتے دیکھ لیا۔ مولانا کی للکار سے برطانوی حکومت کے ایوانوں میں زلزلہ برپا ہو جایا کرتا تھا۔ آج سے پون صدی قبل برطانوی سامراج کو للکارنا موت کو دعوت دینے کے مترادف تھا۔

مولانا نے ایسے ہی وقت میں فرمایا:

قسم ہے جذبۂ حُبِّ وطن کی بے پناہی کی
ہمارا دیس غیروں کا غلام اب رہ نہیں سکتا

مزید فرمایا:

زوال اس سلطنت کا ٹل نہیں سکتا ٹالے سے
اپنی ہی رعایا سے پڑا ہو جس کو ٹکرانا

جب مولانا اپنے افکار اور کردار کے حوالے سے قید و بند کی آزمائشوں سے گزرے تو انہوں نے فرنگی کی قائم کردہ عدالتوں کے طرز انصاف کا مشاہدہ کیا اور علی الاعلان اس کی مذمت کی۔

مولانا، فرنگی سامراج اور اس کے گماشتے، جن میں قادیانی، ٹوڈی جاگیردار اور جعلی پیر سرفہرست تھا کو اپنی بے مثال شاعری کے اڑنگے پر لا کر ایسی پٹخنی دیتے کہ انہیں دن میں تارے نظر آنے لگتے۔

انگریزوں نے ہندوستان کی حکومت مسلمانوں سے چھینی تھی'اس لیے اسے اپنی حکومت کے عدم استحکام کو خطرہ بھی ان کی طرف سے تھا۔ چنانچہ انہوں نے اپنے ایک پرانے وفادار کو'جس نے 1857ء کی جنگ آزادی میں اپنے ہم وطنوں کے خلاف ان کی مدد کی تھی' کے بیٹے مرزا غلام احمد قادیانی سے نبوت کا دعویٰ کروا کر یہ فتویٰ حاصل کیا کہ نعوذ باللہ جہاد حرام ہوگیا ہے۔ مولانا نے اپنے شعری مجموعہ ''ارمغان قادیان'' کے ذریعے اس نبوت کے داعی اور اس کے نام نہاد خلیفہ مرزا بشیر الدین محمود کے چہرہ سے جعلی تقدس کا نقاب نوچ کر عامتہ الناس کو اس کی اصلی صورت دکھا کر رسوا کر دیا۔

پنجاب اسمبلی کی عمارت کے پیچھے ایک سڑک'جس کا نام کیپٹن انوار الحق شہید روڈ رکھا گیا تھا'خدا معلوم لاہور والے اس سڑک کو شہید کے نام سے کیوں نہیں پکارتے۔ 31 سال گزر جانے کے باوجود بھی اس سڑک کو غیر ملکی حکمرانوں کی فوج کے ایک جرنیل منٹگمری کے نام سے ہی بولتے اور لکھتے چلے آتے ہیں۔ اس فوج کا جرنیل جس کی فوج نے ہمارے آباؤ اجداد کو غلام بنایا تھا'اس سڑک پر ایک پراسراری عمارت اب بھی موجود ہے'جس پر ہر وقت ڈھول جمی رہتی ہے کبھی یہ عمارت ''سیسل ہوٹل'' کے نام سے لاہور کے ارباب نشاط کا مرکز و محور ہوا کرتی تھی۔ اس میں ایک اطالوی حسینہ ''مس روفو'' ناچنے گانے کا دھندہ کیا کرتی تھی۔ آنجہانی سر ظفر اللہ خان قادیانی اس عمارت کے قرب و جوار میں ایک بنگلے میں رہا کرتا تھا۔ اس کے ''نبی کا خلیفہ ثانی'' بشیر الدین محمود جب کبھی قادیان سے لاہور آتا تو اپنے باپ کے اس پیروکار کے پاس ٹھہرتا۔ اس آنے جانے میں ''مس روفو'' سے اس کی دوستی ہوگئی اور وہ اسے اپنے بچوں کی ٹیوٹر بنا کر قادیان لے گیا۔ لاہور کے ارباب نشاط اس اغوا بالرضا کے خلاف سراپا احتجاج بن گئے اور داد رسی کے لیے مولانا ظفر علی خانؒ کے پاس پہنچے۔ دوسرے دن ''زمیندار'' میں ایک پھڑکتی ہوئی نظم شائع ہوئی:

عشاقِ شہر کا ہے ''زمیندار'' سے سوال — ہوٹل سیسل کی رونقِ عریاں کہاں گئی
اس کے جلو میں جاں گئی ایماں کے ساتھ ساتھ — کیا کیا نہ تھا جو لے کے وہ جانِ جہاں گئی
خوف ِ خدائے پاک دلوں سے نکل گیا — آنکھوں سے شرمِ سرورِ کون و مکاں گئی
بن کر خروشِ حلقۂ رندانِ لم یزل — لے کر گئی وہ حشر کا ساماں' جہاں گئی
روما سے ڈھل کے برق کے سانچے میں آئی تھی — اب کس حریم ِ ناز میں وہ جانِ جاں گئی
یہ چیستاں سنی تو ''زمیندار'' نے کہا — اتنا ہی جانتا ہوں کہ وہ قادیاں گئی

(روزنامہ ''زمیندار'' 15 مارچ 1934ء)

مولانا' ہندو، انگریز، مرزائی اور ٹوڈی جاگیرداروں سے بیک وقت چومکھی لڑتے اور سب کو چاروں شانے چت گراتے۔ ہندو اخبار اکٹھے مل کر زمیندار پر حملہ آور ہوتے مگر مولانا اپنے قلم کی طاقت سے انہیں ذلیل و رسوا کر کے پسپا کر دیتے۔ ایک دفعہ کرشن چند ناز نے اپنے اخبار میں ایک نظم شائع کی'جس کا عنوان تھا ''بھتنے'' اگلے دن مولانا نے زمیندار میں اسی ردیف قافیے میں ایک زوردار نظم شائع کر دی۔

مولانا کے قلم کی جولانیوں نے زمیندار کا پلڑا ہمیشہ ہندو اخباروں پر بھاری رکھا۔ مزید فرمایا:

اللہ کا سایہ پھر زمیندار کے سر پر
پنجاب کے سر پر ہے زمیندار کا سایہ